ڈاکٹر بُرہان احمد فاروقی
ایم اے ۔پی ۔ایچ ۔ڈی (علیگ)

اِسلام کا مُستقبل

عصرِ حاضر کی رُوح یہ ہے کہ

"سیاسی تصور سب سے زیادہ ولولہ انگیز تصور ہے

اور معاشی مفاد سب سے اہم مفاد ہے۔"

سیاسی فکر کا موضوع ریاست ہے۔ ریاست معاشرے کی تنظیم سے وجود میں آتی ہے، اس لیے ریاست سے پہلے معاشرے کا وجود ضروری ہے۔ جیسا معاشرہ ہوگا ویسی ریاست ہوگی۔ اور معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ ایسے افراد کے مجموعے کا نام ہے جن میں یکسانی کردار کی بناء پر وحدت کا شعور بھی پایا جاتا ہو۔ معاشروں میں وحدت کا شعور جغرافیاتی وحدت یعنی وطن پرستی، زمین پیوستگی کی بناء پر بھی پیدا ہوتا ہے نسلی وحدت بھی اجتماعی وحدت کے شعور کی اساس بنتی ہے اور معاشی مفاد کے ایک ہونے سے بھی اجتماعی وحدت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جیسے وطن پرستی کی بنیاد پر امریکہ میں نسلی وحدت کی بنیاد پر عرب ممالک میں، اور معاشی مفاد کے ایک ہونے کی اساس پر رُوس میں۔ مگر جب مفادات ٹکراتے ہیں تو حقوق کا تصادم رفع نہیں ہو سکتا، صرف فریب سے یا طاقت سے دبایا جا سکتا ہے۔

وہ ریاستیں جو محدُود وفاداریوں کے شعور پر مبنی معاشروں کے منظّم ہونے سے وجود میں آتی ہیں اُن کا طرزِ عمل دوسروں کی طرف عداوت وعناد کی نفسیات سے متعین ہوتا ہے اور ایسی تمام ریاستوں میں افراد اور افراد کے درمیان اور عوام اور حکومت کے درمیان اور ایک ریاست اور دوسری ریاست کے درمیان مفادات کا تضاد اور حقوق کا تصادم برقرار رہتا ہے۔ اِس تضاد اور تصادم کی وجہ سے لاقانونیت، بے اصولی اور مطلق العنانی کے انداز میں بعض حقوق کو ردّ اور بعض کو قبول کرنا لازم آتا ہے اور فرائض کے حوالے کے بغیر حقوق پر اصرار سے تضاد و تصادم کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

بخلاف اِس کے اسلام کا مقصود ایک ایسے معاشرے کا قیام، اُس کی بقا اور ترقی ہے جو نوعِ انسانی

کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو تاکہ مفاد پرستانہ عناد میں مبتلا نہ ہو، اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو تاکہ فرائض کی بجاآوری پر اصرار سے حقوق میں تصادم پیدا نہ ہو اور عملی جدوجہد میں اجر کی توقع غیراللہ سے وابستہ نہ ہو، اور اسلامی معاشرے میں افراد کی جدوجہد معاشرے کو ہر قسم کے خوف وغم سے محفوظ رکھنا ہو اور معاشرے کی جدوجہد افراد کو سلامتی مہیا کرنا ہو تاکہ فرد اور معاشرے کے درمیان تضاد نہ ابھر سکے اور فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف وغم سے محفوظ رہیں اور ایسے معاشرہ میں استحکام کی اساس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی خالص وفاداری ہو جس میں شرک فی النبوت کا شائبہ پیدا نہ ہونے پائے۔

قرآن مجید ایسے مثالی معاشرے کا نہ صرف نصب العین نوعِ انسانی کو مہیا کرتا ہے بلکہ اس نصب العین کو پانے کی حتمی، قطعی اور یقینی طور پر نتیجہ خیز ہدایت بھی مہیا کرتا ہے جس کے مطابق جدوجہد کرکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایسا معاشرہ نہ صرف وجود میں آیا بلکہ جن قوانین کے تحت جدوجہد کرنے میں اس ہدایت کے نتیجہ خیز ہونے کی ضمانت تھی انہیں قرآن مجید میں پیش کرکے حجۃ الوداع کے روز نازل ہونے والی آیت میں تکمیلِ دین کا دعویٰ کرکے نوعِ انسانی کو نئی بعثت اور نئی ہدایت کی احتیاج سے بھی بے نیاز کر دیا۔ کیونکہ تکمیلِ دین تب ہی ممکن ہے جب قرآن مجید کی رُو سے مطلوبہ نتائج کے لیے نئی بعثت اور ہدایت کی احتیاج باقی نہ رہے۔

جب تک بین الاقوامی سطح پر ہمارا زوال نہیں ہوا تھا ہم اس یقین سے محروم نہیں ہوتے تھے کہ غلبۂ دینِ حق قرآنی ہدایت کے تحت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا نتیجہ تھا۔ مگر بین الاقوامی سطح پر جزوًا غالب ہونے کے بعد ہم نے قرآن مجید کی اِس حیثیت کو فراموش کر دیا جس کا دعویٰ "اِنۡ ھُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" میں پایا جاتا ہے۔ اور جب تک ہمارا غلبہ برقرار رہا ہم نے قرآن مجید کے اِس دعویٰ پر توجہ مرکوز رکھی۔ اِنۡ ھُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے صرف مسلم معاشرے کے اندر کے مسائل کو حل کرنے اور غلبۂ اسلام سے مُستلح ہونے والے خصائلِ زندگی کو محفوظ کرنے کے لیے اسلامی قانون کو اجتہاد کے ذریعہ ہمہ گیر بناتے رہنے کی جدوجہد جاری رکھی اور اس طرح اسلام کا معاشرتی نظام اجتماعی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام، اخلاقی نظام قانون کی شکل میں کتاب وسنّت کی بنیاد پر مدوّن ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ معاشی انقلاب کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گئی۔ اِس کے نتیجے میں ہم بین الاقوامی سطح پر مضمحل ہو گئے اور مخالفِ اسلام طاقتوں کو بین الاقوامی سطح پر سیاسی غلبہ بھی حاصل

ہوتا چلا گیا اور عمرانی اور معاشی تصوّرات بھی اُن ہی کے مسلّم ہو گئے۔ جن مغربی اقوام کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہوا انہوں نے مسلمانوں پر استعمارانی نظام مسلط کر دیا۔ اور اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کی عمرانی ثقافتی زندگی میں اختلال پیدا کرنے کی غرض سے اُن کی عمرانی زندگی کی اساس یعنی شرعی نظام کو ختم کر دیا۔ اور معاشرے کی اساس زمین پیوستگی اور وطن پرستی کو بنا دیا۔ معیشت اور سیاست کو لادینی (SECULAR) بنا دیا۔ اور نظامِ تعلیم کو بھی لادینی بنا دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ عقیدے اور عبادات کا کوئی اثر نہ معاشرت پر باقی رہا نہ معیشت پر نہ سیاست پر نہ اخلاق پر، نہ تعلیم پر۔ جب زندگی کے تمام مسائل معاشرتی معاشی، سیاسی، اخلاقی اور تعلیمی تمام لادینی نقطۂ نگاہ سے حل ہونے لگے تو عقیدہ وہم باطل (MYTH) بن کر رہ گیا اور عبادات رسوم وظواہر (RIFUALS) میں تبدیل ہو کر رہ گئیں اور مذہب نظامِ زندگی اور اسلوبِ حیات کے بجائے ذاتی نجی شخصی باطنی پہلو سے وابستہ ہو کر اُس مقام پر آ گیا جو دوسرے مذاہب کو حاصل تھا۔

معاشرے کی نشوونما کے تین شرائط ہیں۔ ایک انسانی شخصیت کی نشوونما، دوسرے ہیئتِ عمرانی کی تکمیل اور تیسرے ماحول کی تسخیر۔ جب سے اِس دَور کی غالب حِسّی صنعتی ثقافت نے پہلی دو شرطوں کو پُورا کیے بغیر ماحول کی تسخیر کے لیے علومِ طبیعی اور صنعت میں ترقی کی ہے، مزعومہ مفادات اور مفاد پرستانہ تخریب کاری کی وجہ سے پوری انسانیت نہ ختم ہونے والی کشمکش میں مبتلا ہے اور صنعت کی ترقی سے مرعوب ہو کر یہ نعرہ لگایا جا رہا ہے کہ اِس دَور میں اخلاق اور مذہب کی بنیاد پر کوئی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ اِس نعرے میں روئے سخن اسلام اور مسلمانوں کی طرف ہے۔ بین الاقوامی سطح پر سرمایہ داری اور اشتراکیت کی حامل طاقتیں ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی اور کمزور اقوام کو اپنے حلقۂ اثر میں لے کر اُن کا استحصال کرنے میں مصروف ہیں۔ پوری انسانیت بڑی طاقتوں کے استحصال کا شکار ہے۔

بین الاقوامی سطح پر عالمِ اسلام کے مضمحل ہو جانے کے بعد جب سے مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی زندگی پر دوسروں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے اُن کا مذہبی ذہن اِس لیے اضطراب میں ہے کہ مغربی اقوام کی سیاسی اور معاشی گرفت سے آزاد ہونے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی جس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے غلبے کے دَور میں اپنے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی پہلوؤں کو اسلامی خصائص کے ساتھ محفوظ رکھنے کی جو سعی کی تھی وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے معاشی انقلاب کی قیادت چھن جانے کے باعث

بے اثر ہوگئی اور اسلامی فضائلِ حیات کو محفوظ رکھنے کی تدابیر ان فضائل سے محروم ہونے کے بعد فضائلِ حیات کو دوبارہ قائم کرنے سے قاصر ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کی نسبت ایک اضطراب انگیز تشویش میں مبتلا ہیں۔

ہر چند کہ آج بھی اسلام ہی اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ دنیا کو اخلاقی اعتبار سے ایک صحتمند، معاشی اعتبار سے عادلانہ اور عمرانی اعتبار سے ایک پائیدار تہذیب عطا کرکے اُسے باقی رکھ سکے کیونکہ عصرِ حاضر کی رُوح کا یہ تقاضا بھی کہ سیاسی تصوّر سب سے زیادہ ولولہ انگیز تصوّر ہے اسلام ہی سے پُورا ہو سکتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی رُو سے دین اور سیاست اِس معنی میں ایک ہیں کہ محدود مفادات کی وفاداری پر منظّم قومیں اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں اور اسلام کی حفاظت بیک وقت دین بھی ہے اور سیاست بھی اور عصرِ حاضر کی روح کا یہ تقاضا بھی کہ معاشی مفاد سب سے اہم مفاد ہے، اسلام ہی کی بدولت اس بناء پر پُورا ہو سکتا ہے اسلام کے نقطۂ نظر سے زندگی ایک وحدت ہے اور اخلاق اور معیشت باہمدگر جوابی، اضافی، متضافی اور وجوبی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ دوسروں کی معیشت کے تقاضے پورا کرنے پر اخلاقی فضیلت منحصر ہے جیسا کہ اِس آیۂ پاک سے واضح ہوتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اور اجتماعی زندگی میں اخلاق اور معیشت کے ربط ہی کے حوالے سے وہ انقلاب برپا ہو سکتا ہے جس کی نوعِ انسانی کو احتیاج ہے۔ جب سے ہم استعمار کی گرفت میں آئے ہیں ہمارا معاشرہ، ہماری معیشت، ہماری سیاست ہمارا اخلاق اور ہماری تعلیم خواہ دینی ہو یا لادینی، سیکولرازم (لادینیت) کے زیر اثر ہے اور ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جو لوگ بین الاقوامی سطح پر اپنے دشمنوں کی معاشی اور سیاسی گرفت میں ہوں انہیں قرآن سے کیا رہنمائی میسّر آسکتی ہے۔ اِس معذوری کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے خود ساختہ نظامِ افکار کے تحت معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق اور تعلیم میں جن مقاصد کو اپنایا ہے وہ اتباعِ سنت سے نہیں بلکہ انحراف عن السنت سے پُورے ہوتے ہیں اور ہم اپنی بے یقینی اور بے اعتمادی کو چھپانے کے لیے بغیر یہ سمجھے ہوتے اسلامی اسلوبِ حیات کے ہمہ گیر اور مکمل ہونے کا نعرہ لگاتے ہیں کہ اسلوبِ حیات تمدنی زندگی کی حیثیتِ مستمرہ کو برقرار رکھنے کی تدبیر ہے اور محرومی کے بعد کسی حیثیت پر فائز ہونے کی نہیں۔

ہم اِس حقیقت سے صرفِ نظر کرنا چاہتے ہیں کہ مطالعۂ قرآن سے غلبۂ حق کی آرزو پیدا ہوتی ہے اور غلبۂ باطل اور شکستِ حق کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور اُسوۂ مبارک سے انحراف ہمارے مقاصد کے بدل جانے کا نتیجہ ہے۔

اگر معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق اور تعلیم میں مقاصد بدل گئے ہوں تو اسوۂ مبارک سے انحراف ضروری ہو جائے گا۔

ہمارا معاشرہ نسلیت یا وطن پرستی، زمین پیوستگی، جغرافیائی وفاداری کی اساس پر مطالبۂ حقوق پر اصرار پر قائم نہیں منزلزل ہو رہا ہے اور اسلامی معاشرے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ارکانِ دین (اقرارِ توحید رسالت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج پر عمل) کی بدولت وجود میں آنے والی یکسانیٔ کردار سے پیدا ہونے والے شعورِ وحدت کی اساس پر وجود میں آتا ہے اور غلبۂ دینِ حق کے لیے منظم ہو تو اسلامیت سے متصف ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ اور قرآن کا موقف یہ ہے ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔

ہماری معیشت کا اباحتی نمونہ حرام وحلال، ناجائز اور جائز کے امتیاز سے بے نیاز ہے جس میں خانشہ کاری سود خوری، ربیں، اور رشتہ معاشی تخلیق کے عمل کی حیثیت سے از روئے آئین مسلّم ہیں۔ اور جو لوگ بزعمِ خویش اسلام کے داعی ہیں وہ معاشی تخلیق کی جدوجہد کے اخلاقی ضابطے کے تابع ہونے کو انفرادی ملکیت پر اصرار کو اور اسلامی نقطۂ نظر سے دولت کی تقسیم کو اسلامی معیشت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ از روئے قرآن معاشی تخلیق کی جدوجہد میں تعطل کو دور کرنے کا عمل اسلامی معیشت ہے اور جن لوگوں کی زندگی میں تعطّل موجود ہے ان کو وسائلِ تخلیق مہیا کرنا ہی اسلامی نظامِ معیشت ہے، اسی لیے جن لوگوں کی زندگی معاشی تعطّل کا شکار ہے جیسے یتامیٰ اور مساکین، اُن کا تعطل رفع نہ کرنا تکذیبِ دین ہے۔ جس کے بعد نماز "دکھاوا" رہ جاتی ہے جیسا کہ سورۂ ماعون سے معلوم ہو جاتا ہے اور قرآن مجید اس آیۂ پاک کی رُو سے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک وہ انفاق نہ کرو جو تمہاری نظر میں پسندیدہ ہے)۔ اخلاقی فضیلت "بِرّ" کو انفاق سے وابستہ کرکے فاعل اخلاق کی نیکی اور انفاق سے مستفید ہونے والے کی معیشت کو باہمی جوابی اضافی مستضائی اور وجوبی طور مربوط قرار دیتا ہے۔

سیاست میں ہمارا حال یہ ہے کہ ریاست کا وظیفہ انفرادی مفادات کا تحفظ شمار ہوتا ہے۔ اس وظیفے کی انجام دہی کے لیے تنظیم بطور طریقِ کار کے ضروری ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس معاشرے میں مطالبۂ حقوق پر اصرار کیا جا رہا ہے اُس میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے درمیان رسہ کشی ہو رہی ہے اور

کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اپنے عیب کو ہنر اور دوسرے کے ہُنر کو عیب ثابت کیا جاسکے ۔ یہی جمہوریت ہے اور اقتدار کے آرزومندوں کی کامیابی کی شرط ہے ۔ جمہوریت میں اقتدار عوام کا حق منصور ہوتا ہے ۔ یہ موقف اُس ملوکیت کے ردّ عمل کے طور پر اُبھرا ہے جس کی رُو سے بادشاہ کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون ہے اور خود بادشاہ کی ذات قانون کی اطاعت سے بالاتر ہے اور معاہدۂ عمرانی کا ایک نظریہ یہ ہے کہ معاہدہ افراد کے درمیان ہے کہ بادشاہ کی اطاعت کریں گے ۔ بادشاہ معاہدۂ عمرانی میں ایسا فریق ہے جس کے صرف حقوق ہیں ، وہ فرائض سے مستثنیٰ ہے ——— اور تھیاکریسی بادشاہت خدا کی ہے ۔ بخلاف اس کے اسلامی ریاست اسلامی معاشرے کی تنظیم کا نام ہے اور تنظیم عبارت ہے حاکم اور محکوم کے وجود میں آنے سے ۔ جب حاکم اور محکوم وجود میں آجائیں تو حاکم کو اپنی اطاعت بہ جبر کرانے کا اختیار بھی قانوناً حاصل ہے ۔ اور یہیں سے سیاسی تناقض کی ابتدا ہوتی ہے ۔ اگر اطاعت کا مطالبہ ہوسِ اقتدار کی خاطر کیا جائے تو تناقض پیدا ہوتا ہے اور محکوموں کی بہی خواہی کے لیے اطاعت کا مطالبہ کیا جائے تو تناقض رفع ہوتا ہے اور یہ جب ممکن ہے جب مطیع و مُطاع دونوں منزّل من اللہ قانون کے یکساں تابع ہوں ۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم "شارع" ہیں ، یعنی LAW GIVER وہی مُطاع ہیں اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ان کی شان میں وارد ہے ، کیونکہ آپ کی اطاعت کے علاوہ اللہ کی اطاعت کسی طرح متصور نہیں ہوسکتی ۔ اور چونکہ ریاست ایک انسانی ادارہ ہے جس کی تنظیم میں مطیع اور مُطاع دونوں کا انسان ہونا ضروری ہے ۔ اِس لیے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ الرسول اللہ کہتے ہیں ۔

قانون رائج الوقت جو سیکولر قسم کا ہے ، اس سے نہ عصمت کا تحفظ مقصود ہے نہ جان کا نہ مال کا کیونکہ قانون کا مقصد حدُودُ اللہ کو نافذ کرنا نہیں ہے ۔ حالانکہ قانون تعزیری کی غایت قصاص ہونا چاہیے کیونکہ لَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ کی رُو سے قصاص میں زندگی ہے مگر جب فضائل کی تدریج بدل گئی تو قانون صرف مفاد پرستی کے تحفظ کا ذریعہ بن سکتا ہے ۔

ہمارے معاشرے میں ایک شگاف ہے ۔ ایک طرف جدید ذہن ہے دوسری طرف مذہبی ۔ جدید ذہن مصلحت پرستی اور لذّت کوشی کو اخلاق سمجھتا ہے اور مذہبی ذہن کے نزدیک ارسطوہی کا معیارِ اخلاق معیار ہے ۔ قرآنی معیار سے صرفِ نظر کرکے افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال کو معیار سمجھا جاتا ہے اگرچہ یہ

معلوم نہیں کہ وہ نقطۂ اعتدال کہاں واقع ہے۔ اِس طرح نیکی اور بدی میں صرف مدارج کا فرق رہ جاتا ہے اور تفریط سے پیدا ہونے والی بدی میں زیادتی کرنے سے وہ نیکی بن جاتی ہے۔ افراط سے پیدا ہونے والی بدی میں کمی کرنے سے وہ نیکی بن جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی رُو سے نیکی اور بدی کا معیار "حکم" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ فعل جو حکم تعمیل کی نیت سے صادر ہو وہ نیکی ہے اور جو فعل حکم کی خلاف ورزی کی نیت سے سرزد ہو وہ بدی ہے۔

ہمارا نظامِ تعلیم بھی دو طرز کا ہے، ایک سیکولر (لادینی)، دوسرا دینی۔ لادینی نظامِ تعلیم مستعمراتی مفادات کے تحفظ کے لیے وجود میں لایا گیا تھا جو عقائد اور عبادات کو زندگی پر اس لیے مؤثر نہیں رہنے دیتا کہ معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق اور تعلیم کے تمام تقاضے لادینی تدبیر سے پورے کیے جا رہے ہیں چونکہ عقیدہ اور عمل زندگی کے اِن پہلوؤں پر اثر انداز نہیں ہوتا اس لیے ایک وہمِ باطل (MYTH) میں تبدیل ہو چکا ہے اور عبادات کا کوئی اثر زندگی کے اِن پہلوؤں پر نہیں ہے۔ عبادات، رسوم و ظواہر بن کر رہ گئی ہیں اور اصلاحِ امّت کا کوئی مدعی ان رسوم وظواہر کو عباداتِ صحیحہ بنانے کی تدبیر کی نشاندہی نہیں کرتا۔ اور اپنے دعوے میں شدّت کے پیشِ نظر اپنی "خواہش" کو "یقین" کہنے پر مُصر ہے اور یقین کے راسخ کرنے کی کسی تدبیر کی احتیاج کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ صورتِ حال اس بات کا نتیجہ ہے کہ عملی زندگی میں احکامِ فقہ کی پیروی خواہشات کی تسکین کے لیے کی جا رہی ہے اور اسلام کی برتری کے دعوے کے باوجود اسلامی اسلوبِ حیات کے تمام پہلو سیاسی نظام، اجتماعی نظام اقتصادی نظام اور اخلاقی نظام سب کے سب زندگی میں ایک تنکے کے برابر تبدیلی اِس لیے نہیں لا سکتے کہ یہ سب فقہی نظام کے مشمولات ہیں اور فقہ (اسلامی قانون) اُن فضائل کو پیدا کرنے اور غالب کرنے کا نہیں بلکہ ان کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے اور اس وقت حال یہ ہے کہ زندگی کے پہلو میں لادینیت (SECULARISM) غالب ہے اور شرعی قانون کی حیثیت شخصی قانون (PERSONAL LAW) سے زیادہ نہیں رہی۔ اور رائج الوقت دونوں معاشی نظام مطالبۂ حقوق کے اصرار پر قائم ہیں جن میں حقوق کا تصادم رفع نہیں ہو سکتا۔ حقوق کا تصادم زندگی کے سیاسی پہلو میں بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے حقوق ٹکراتے ہیں۔ اور جمہوریّت کے پرستار یہ رہنمائی کرنے سے عاجز ہیں کہ اسلام حقوق کے تصادم کو کیسے رفع کرتا ہے۔

دینی نظامِ تعلیم بھی لادینیت (SECULARISM) کو قبول کیے ہوئے ہے۔ جو لادینی معاشرے میں صرف رسوم وظواہر کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس کے تمام درسی نصابات یقین انگیزی کی صفت سے عاری ہیں — قرآن مجید کا مطالعہ دینی تعلیم کے نصابات میں داخل ہی نہیں۔ قرآن مجید کی جگہ تفسیر پڑھائی جاتی ہے اور تفسیر کے تمام علوم انسانی شعور کے زائیدہ ہیں۔

صحیفۂ حکمتِ قرآن

اغراض و مقاصد

۱۔ قرآن حکیم تمام بنی نوعِ انسان کے لیئے سرمایۂ رُشد و ہدایت ہے۔ اس کتابِ حکمت کو خود ربّ العزّت نے زمانۂ نزول سے لے کر قیامت تک ہر دور کے تقاضوں کے لیئے کافی وشافی فرمایا ہے۔ اِس گنجینۂ حکمت کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی اور اس صحیفۂ ہدایت کے معانی و مطالب کی تفہیم کا کام شروع سے جاری ہے۔ اور چونکہ ہر دور کے تقاضے الگ الگ ہیں اس لیئے ہر دور میں اس پر غور و خوض کی احتیاج رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔

۲۔ اب جب کہ علم انفرادی سطح سے بلند ہو کر سماجی سطح تک آگیا ہے، یہ انتہائی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تفہیمِ قرآن کے سلسلے میں بھی اجتماعی کوششوں کو بروئے کار لایا جائے۔ اور اس ضمن میں مختلف ادوار میں جو کاوشیں ہوئی ہیں اُن کو یکجا کر کے موجودہ مسائل کا حل ڈھونڈنے کی سعی کی جائے۔

۳۔ "صحیفۂ حکمتِ قرآن" کے اجراء کا مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے کا کام فرقہ وارانہ سطح سے بالاتر ہو کر خالص علمی سطح پر سرانجام دیا جائے۔

۴۔ مطالعۂ حکمتِ قرآن کا ایک مرکزی حلقہ قائم کیا گیا ہے جس میں قرآن حکیم کے مضامین پر خالصتاً تحقیقی نقطۂ نظر سے کام کیا جائے گا اور حاصلاتِ مطالعہ کو یکجا کرنے کی سعی کی جائے گی۔ ملک کے طول و عرض میں مختلف قرآنی اور دینی حلقوں کو اس بات کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ تفہیمِ قرآن کے سلسلے میں اہم نکات کو مضامین کی شکل ہی میں نہیں بلکہ اشارات کی صورت میں مرکزی حلقہ کو ارسال فرمائیں۔

۵۔ واضح رہے کہ مطالعۂ حکمتِ قرآن کے اس مرکزی حلقے کو دوسرے حلقوں پر کسی قسم کی بالادستی حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ حلقہ ملک کے دوسرے حلقوں کے درمیان ایک نوع کے الحاق کی صورت قائم رکھنے کے لیئے کوشاں رہے گا۔

۶۔ انفرادی سطح پر معاونت فرمانے والے حضرات کے لیئے بھی "حلقہ مطالعۂ حکمتِ قرآن" ممنون ہوگا اور تفہیمِ قرآن کے سلسلہ میں ان کے خیالات کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

۷۔ دوسرے ممالک میں تفہیمِ قرآن کے سلسلے میں جو کوشش ہو رہی ہے ان کو بھی یکجا کرنے کی سعی کی جائے گی۔

۸۔ اندرونِ ملک شائع ہونے والے وہ تمام دینی رسائل و جرائد جو مرکز کو بھیجے جائیں گے مرکز ان کے مضامین کے اہم نکات اور اقتباسات کو صحیفۂ حکمتِ قرآن میں نمایاں طور پر پیش کرے گا۔

۹۔ صحیفۂ حکمتِ قرآن کے مضامین دوبارہ اشاعت، نقل، اخذ یا علاقائی زبانوں میں ترجمہ پر کوئی پابندی نہیں ہوگی البتہ اگر صحیفہ کا حوالہ دے

قرآن فہمی کے لئے

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

کا مطالعہ ضرور کریں

آج ہی تین روپے سالانہ چندہ بھیج کر مستقل خریدار بن جائیں

یا

اپنے قریبی بک سٹال سے خرید فرمائیں

منیجر ماہنامہ "حکمتِ قرآن"

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس

۷۔ فرینڈز کالونی، ملتان روڈ، لاہور